ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

پروفیسر ڈاکٹر امتیاز حسین بلوچ
صدرِ شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان ۔
ہاشم شیر خان
ایڈووکیٹ ڈسٹرکٹ بار، ڈیرہ غازی خان ۔
ندا سعید
سکالر پی ایچ ڈی اردو، یونیورسٹی آف سدرن پنجاب، ملتان ۔

عائشہ جلال کی کتاب "Self and Sovereignty" کا سرسری جائزہ

Prof. Dr. Imtiaz Hussain Baloch*
Head Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan.
Hashim Sher Khan
Advocate District Bar, Dera Ghazi Khan.
Nida Saeed
Scholar PhD Urdu, University of Southern Punjab, Multan.
***Corresponding Author:** imtiazhussain@usp.edu.pk

An Overview of Ayesha Jalal's Book Self and Sovereignty

This article critically examines the book Self and Sovereignty by Ayesha Jalal, focusing on its historical, political, linguistic, and ideological interpretations regarding Muslim identity, nationalism, and the creation of Pakistan. The study highlights Jalal's analytical and critical historiography while also identifying several areas where the reviewer fundamentally disagrees with her interpretations, particularly concerning the Two-Nation Theory, Muslim nationalism, the role of religion in politics, and the ideological foundations of Pakistan. The article discusses the book's treatment of Hindu-Muslim relations, the Urdu-Hindi controversy, the role of the press, the politics of Punjab, the Khilafat Movement, and Muslim political consciousness in colonial India. It further evaluates Jalal's views on Muhammad Ali Jinnah, Allama Muhammad Iqbal, secularism, and Islamic identity, arguing that her secular perspective overlooks the

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

ideological and religious motivations behind the Pakistan Movement. Despite these disagreements, the paper acknowledges Jalal's scholarly style, intellectual depth, and powerful prose, concluding that her work remains an important contribution to South Asian historiography and debates on Muslim identity and sovereignty.

Key Words: *Islam in South Asia, Muslim Identity, Selfhood and Sovereignty, Nationalism and Nationhood, Hindu-Muslim Relations, Politics of the Subcontinent, Partition of India, Urdu-Hindi Controversy, Islamic State, Politics of Punjab, Kashmir Issue, Historical Narrative, Urdu Journalism, Muslim Elite, Social Change, National Awakening.*

"Self and Sovereignty" سے قبل عائشہ جلال کی انگریزی زبان میں سات کتب منظر نامے پر آچکی ہیں، جو اپنے منفرد اسلوب، برتی گئی اصلاحات اور فکری تنقیدی و تاریخی جہتوں کی حامل ہیں۔ نام بُردہ کتاب موجودہ دور میں لکھی گئی دیگر انگریزی کتب سے زیادہ مقبول اور درجہ میں زیادہ پڑھی جارہی ہے۔ کتاب ہذا کے دس ابواب اور ایک مقدمہ ۶۳۰ صفحات پر محیط ہیں۔ کتاب کے مطالعے سے یہ آشکار ہو جاتا ہے کہ مصنف کا ذہن تجزیاتی اور تنقیدی فکر کا حامل ہے۔ کتاب میں ایسے بسا مقامات بھی مل جاتے ہیں، جس سے مصنف کے نقطہ نظر سے اختلاف کرنا پڑتا ہے۔

لکھنے والے کا ذہن اور پڑھنے والے کے ذہن میں تفاوت ایک فطری اور معاشرتی تقاضا ہے۔ قاری کسی بھی مصنف کی تجزیاتی و فکری اور تنقیدی پہلو پر مکمل اختلاف نہ بھی کرے، تو بھی بعض مواقع پر اسے مصنف کی تجزیاتی، فکری، سماجی، سیاسی اور مذہبی نقطہ نظر پر مخالف سمت چلنا پڑتا ہے، جہاں ایک مذہب، کلچر ایک قوم اور ایک زبان کا بسیرا نہ ہو، وہاں کے پھیلے ہوئے سماج میں ایسے اختلافات تیز رَو میں بہہ کر شدت اختیار کر جاتے ہیں، اور یہ عملی فطری اور معاشرتی حصہ بن جاتا ہے، جو متعصبانہ صورت میں قوم پرستی پر منتج ہو جاتا ہے۔

مصنف عائشہ جلال کتاب کے پہلے احاطے (باب) میں قاری کی توجہ اُس عہد کی طرف مبذول کرواتی ہیں، جو اُن کی آنکھوں کے سامنے نہیں گزرا، اور جسے قلمی دستاویزات، حقیقی و غیر حقیقی تاریخی کتب و ماخذات میں قید کر لیا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے کہ ما قبل ہندو مسلم (بت پرستی اور وحدانیت) تنازع کی حقیقی اور ٹھوس وجہ یا وجوہات عرب میں ایک الگ مذہب اور دین کے مابین تھا، مگر ہندوستان میں یہ ہندو مسلم تنازع کلچر ڈ تنازع نہ تھا اور نہ ہی مذہبی بنیادوں پر اس کی ابتدا ہوئی تھی، بل کہ یہ مناقشہ لسانیات (رسم الخط) سے شروع ہوا، جو آگے چل کر

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

مذہبی رنگ میں دو قومی نظریے نے لے لی، اور یوں صدیوں سے باہمی اتحاد و تعاون اور اتفاق کے ذریعے گزرنے کے باوجود بھی ہندو مسلم میں سیاسی تھینک ٹینکس نے حدِ فاصل کی باؤنڈری لائن کھینچ دی۔

کتاب ہذا کا پہلا باب فرد اور قوم کی تفہیم سے قاری کو آگاہی دیتا ہے۔ جس میں زندگی گزارنے والے متفرق مذاہب اور تہذیبوں سے بھی وابستہ افراد بھی تھے۔ اس حصے میں ہندو اور مسلمانوں پر غالب حصہ زیر بحث آیا ہے اور خصوصاً پنجاب کی تہذیب، معاشرت، زبان اور سیاست پر مصنف نے قدرے تفصیل سے اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیاست میں ۱۹۲۰ء کے بعد کسی طرح مقتدر اور طاقت ور طبقہ سیاسی اور سماجی رویوں میں چھانے لگا۔ اس میں مصنف عائشہ جلال نے اپنا جو موقف، نظریہ اور فکر پیش کی ہے، وہ اس عہد کے حالات و واقعات سے جڑت رکھتے ہیں۔

کتاب کا دوسرا باب ہندو مسلم مذہبی، سیاسی اور سماجی اثر و نفوذ پر بحث کی گئی ہے، جس میں یہ بتانے کی ممکن کوشش کی گئی ہے کہ ہندو اور مسلم دانش ور اپنی اپنی قوم کو پریس (اخبارات) کے ذریعے متحرک کرتے رہے، جس میں وقت کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم سیاست میں تیزی، شدت اور بیداری آتی گئی اور یوں انہوں نے اپنے اپنے مذہبی حلقوں کو بھی اپنا ہم نوا بنالیا۔ مصنف نے سارا الزام مسلمان اشرافیہ پر لگا دیا کہ کس طرح انہوں نے اخبارات کا سہارا لے کر اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے مذہب کا استعمال کیا، حالاں کہ ایسا طرزِ عمل سب سے پہلے ہندوؤں میں پیدا ہوا، اور انہوں نے ہی قوم پرستی، لسان پرستی اور مذہب پرستی کی بنیاد رکھ کر ہوا دی، اور یوں ہندوستانی سماج میں انتشار، تنگ نظری، تعصب اور دیگر جھگڑوں نے جنم لیا۔ مصنف نے ساتھ ساتھ پریس کے کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے، کہ یہ طاقت ور ذریعہ کس طرح سے بالخصوص عوامی، سماجی، سیاسی بالعموم مذہبی حلقوں میں گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کا موثر ذریعہ اور آغاز ثابت ہوا۔ ان کے خیال میں پریس کے اس کردار و اظہار سے ہر دو اقوام میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہوئی، جس سے متاثر کن مثبت رجحانات اور منفی اثرات پھیلے، اور یوں ہر دو فرد کی سوچ، عمل و کردار میں تغیر و تبدل جاگزیں ہوتا گیا، اور اذہان بٹتے چلے گئے۔

کتاب کے تیسرے باب میں اردو ہندی اور پنجابی زبانوں کا احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے اور مصنف نے قاری کو یہ بتانا چاہا ہے کہ محولہ بالا یہ تینوں زبانیں انگریزوں کے زیر اثر رہی ہیں، اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اردو، ہندی پر انگریزوں نے اپنی تدبر اور حکمت عملی سے وہ کام کر دکھایا ہے جو انتشار اور تنازع کی شکل میں اب بھی موجود ہے، اور یہ مناقشہ کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ مصنف کی طرف سے اِن دو زبانوں

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

میں تیسری زبان پنجابی کو شامل کرنے کی منطق سمجھ سے بالاتر اور حقائق کے سراسر منافی ہے۔ ہندی اردو رسم الخط کے سارے جھگڑے کی بنیاد اور اس کے پھیلنے کی وبا فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ہوئی، جس نے پورے ہندوستان کے سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ (۱)

ہنوز یہ تنازع ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ مسلمانوں سے چھینی گئی اپنی مقبوضہ سلطنت کو انگریز وسیع، مضبوط اور طول دینا چاہتے تھے، اس لیے وہ اردو ہندی تنازع کھڑا کر کے کامیاب ثابت ہوئے۔ پنجابی زبان کو زیر اثر کرنے کا دخل انگریزوں کے لیے کیسے سود مند ثابت ہو سکتا تھا۔ پنجابی زبان انگریزوں کے زیر اثر آجانے سے متعلق مصنف کا قلم وضاحت سے عاری رہا۔ ہندوستان میں ان گنت زبانیں ایسی بھی تھیں، جو پنجابی زبان کا ساوزن اور حجم رکھتی تھیں، مگر وہ بھی انگریزوں کے زیر اثر نہ تھیں، ان میں سرائیکی، بلوچی، پشتو اور سندھی بڑی زبانیں قابل ذکر ہیں۔ پنجابی زبان کو زیر اثر کرنے کا خیال انگریزوں کو کبھی بھی نہ آیا تھا۔ وہ اردو کے علاوہ کسی بھی زبان کو عوامی زبان نہ گردانتے تھے۔ اردو سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں رائج تھی، خود انگریز افسران تک اردو میں کلام کرتے تھے اور اردو پر تحقیق و تنقید کا سب سے زیادہ اور ابتدائی کام انگریز مستشرقین نے ہی کیا تھا۔ (۲) وہ اردو کے اس اثر کو ختم کرنے کے لیے سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہندی رسم الخط کو مقبول بنانے کے لیے اس کی سرپرستی کرتے رہے۔ جس سے ایک عظیم تنازع کا آغاز ہوا۔ ہمارے خیال میں اردو سے بھی کہیں زیادہ دیوناگری رسم الخط میں پلی ہوئی ہندی انگریزوں کے زیر اثر رہی تھی۔

کتاب کے چوتھے باب میں ۱۹۰۹ء کے بعد مسلمانوں کی سیاست اور قومیت کو زیر بحث لایا گیا ہے، اور ان شخصیات کا تذکرہ احوال درج ہے، جنہوں نے مسلمانوں کے اندر قومی تشخص کی بیداری پیدا کرنے اور ان کی علاحدہ شناخت کے لیے کوششیں کیں، اور مملکتِ پاکستان کے لیے انفرادی اور اجتماعی جدوجہد بھی کرتے رہے۔ ۱۹۰۶ء میں جب مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی، تو مسلمانوں میں جدوجہد آزادی کی لہر معمولی حد تک پیدا ہوئی، مگر اس میں شعوری تیزی اس وقت آئی جب ۱۹۴۰ء میں علاحدہ وطن کے حصول کے لیے ۱۹۴۰ء میں مینار پاکستان کے مقام پر قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ (۳)

پانچویں باب میں ماضی میں رونما ہونے والے اُن محرکات و واقعات کو پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، جنہوں نے سلطنت خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لیے عملاً اور مخلصانہ جدوجہد کرتے رہے۔ اس میں مصنف عائشہ جلال نے بتایا ہے کہ تین اقسام، یعنی آسمانی (اللہ کی مدد سے) انفرادی اور دینوی ہیں۔ سلطنت عثمانیہ کا عروج اور

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

عمل داری دنیا میں انتہائی شان دار رہی ہے۔ سلطنت عثمانیہ کی تاریخ چودھویں صدی سے شروع ہوتی ہے، اس وقت دنیا میں وہ ایک معمولی ریاست تھی، جو فتوحات کی صورت میں کامیابیاں سمیٹتے سمیٹتے دنیا کی عظیم الشان سلطنت بن گئی ، مگر افسوس نوجوانوں کی مخالف تحریک نے سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ قبل ازیں محلاتی سازشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا، ۱۶۰۰ء کے بعد خاندان عثمانیہ میں "قفس" نظام رائج ہو گیا۔ تخت کے وارث عثمانی شہزادوں کو شاہی محلات میں نظر بند رکھا جاتا تھا اور ان کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ عثمانی شہزادوں کی اس نظر بندی کے ساتھ ہی ایک باقاعدہ منصوبہ بندی اور سازش کے تحت انہیں ہر قسم کے سامان تعیش اور آرام طلب زندگی گزارنے کے مواقع دیے جاتے تھے، تاکہ سلطنت کے سیاسی و انتظامی معاملات سے وہ کوسوں رہیں۔ یہیں سے آہستہ آہستہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کی ابتدا شروع ہو جاتی ہے، جو سلطنت عثمانیہ کے خاتمے تک منتج ہوئی۔ اس نظام "قفس" اور محلاتی سازشوں سے متعلق مزمل یٰسین لکھتے ہیں کہ:-

> "۔۔۔اِن شہزادوں کو کسی طرح کی ذمہ داریاں نہیں سونپی جاتی تھیں، اور وہ میدانِ جنگ میں قیادت کرنے کے بجائے حرم میں دادِ عیش دیتے تھے۔ اس نظام کا سہرا سلیمان عظیم کی ملکہ خرم سلطان کے سر ہے۔ یہ ایک روسی عورت تھی، جو بہت حسین تو نہ تھی لیکن سلطان کی منظور نظر بن گئی تھی۔ ملکہ ولی عہد کے بجائے اپنے عیش پسند لڑکے کو سلطان بنانا چاہتی تھی، چناں چہ اس نے سلطان سلیمان کو "قفس" نظام رائج کرنے پر آمادہ کر لیا، حالاں کہ شہزادوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی جاتی تھی، لیکن وہ عملی ذمہ داریوں سے محروم کر دیے گئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مستقبل کے سلطان اِس قابل نہ رہے کہ ملک اور عوام کے حالات کو سمجھ سکیں۔"(۴)

۱۷ویں صدی سے ہی ترکی میں نااہل اور جابر سلطانوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ باب بھی کتاب کا اہم تاریخی حوالہ اور حصہ ہے۔

اگلے دو ابواب مذہب اور صوبوں سے متعلق ہیں، جو صوبوں کے ملنے اور مسلمہ ثقافات کے ان مٹ اثر و نفوذ پر قلم بند کیے گئے ہیں۔ یہ باب بھی کتاب ہذا کا اہم اور حوالہ جاتی تصور ہوتا ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

چھٹے باب میں مسلم سیاست پر سیر حاصل گفت گو کی گئی ہے۔ خاص کر یہ بحث پنجاب اور کشمیر سے متعلق ہیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی مالی و سماجی حالت زیادہ خراب نہ تھی مگر کشمیر میں مسلمان بھوک افلاس اور بیماریوں کا شکار تھے اور ہر قسم کی بنیادی سہولیات اور جائز حقوق سے محروم تھے۔(۶)

ساتواں باب مسلمانوں اور کانگریس سے متعلقہ ہیں، جو صوبوں کے حصول اور مسلم شناخت کے ان مٹ اثر و نفوذ پر قلم بند کیے گئے ہیں، اور اس درمیانی راستہ کے نہ ہونے سے جو کانگریس اور مسلمانوں (مسلم لیگ) کے درمیان سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ کتاب میں یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ درمیانی راستہ نہ ملنے کے سبب مسلمانوں کی انفرادیت اور ان کی وطنیت میں حائل رہا۔ حالاں کہ مسلمانوں نے اپنی انفرادیت اور شناخت قائم کرنے کے لیے یہی ایک علاحدہ ریاست کا نعرۂ حق لگایا تھا، اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے تھے۔ مصنف کا نقطہ نظر تاریخی، فکر اور تحریکی اعتبار سے درست نہیں۔

آٹھویں باب کو کتاب کا اہم جزو قرار دیا جاتا ہے، جس میں مسلمانوں کے علاحدہ گروہ اور علاحدہ قوم پر مفصل بیانیہ موجود ہے، جس میں مصنف نے اُس وقت کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے موقف اپنایا ہے کہ علاحدہ ملک کے مطالبے کا ہونا تاریخی حیثیت سے ناقابل تھا، بل کہ یہ حالات و واقعات اور مسلمانوں کی عظیم جدوجہد اور بے مثال قربانیوں کا ثمر اور روپ سروپ تھا۔ مصنف عائشہ جلال یقیناً اِس شہادت سے آگاہ ہوں گی کہ حالات و واقعات ہی دراصل آگے چل کر کسی بھی قوم کے لیے تاریخی حیثیت بن جاتے ہیں۔

باب نہم میں اتحاد پنجاب و ایک ہند قائم نہ رکھ سکتے اور غدر میں رونما ہونے والے واقعات اور عظیم سانحات پر تجزیہ ملتا ہے۔ عائشہ جلال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ہندو مسلم فساد کے ذمہ دار غنڈوں کا ایک مخصوص گروہ تھا، جو یہ قیامت ڈھا رہا تھا، خاص کر انہوں نے خواتین پر ڈھائے جانے والے مظالم کو تاریخی ثبوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انگریزوں نے غدر کا الزام مسلمانوں پر لگا کر جو ظلم و ستم کیے اسے پڑھ کر رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، حالاں کہ اس وقت مسلمان بے ضرر کی سی حالت میں تھے۔ ان کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ گروہ کی صورت میں مسلح ہو کر انگریز سرکار کے خلاف اپنا سینہ تان لیں۔ اِس موقع پر سر سید احمد خان بڑی خوب صورت اور سچی بات کہہ گئے ہیں۔ وہ بدرالدین طیب کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

> "غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا۔ مسلمان دِل چلے تھے، وہ بیچ میں کود پڑے۔ ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے، ویسے ہی ہو گئے، مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہو گئے۔"(۶)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

عائشہ جلال نے کتاب کے آخری باب میں ہندوستانی مسلمان کے خیالات، جذبات حتیٰ کہ سیاسی شناخت کو تین ممالک جن میں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں منقسم کر دیا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی پنڈتوں کی سازش سے پاکستان کو دولخت کر کے بنگلہ دیش کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ یہ پاک وہند کے مسلمانوں کے لیے سانحہ عظیم تھا۔ یہ سانحہ رونما کروانے پر بھارتی سرکار فخر محسوس کرتی ہے، مگر ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ بنگلہ دیش جو بنا ہے، وہ غیر اسلامی ملک تو ہے نہیں!! بنگلہ دیش دنیا میں اسلامی ملکوں میں سے ایک اسلامی ملک کا اضافہ ثابت ہوا۔ عائشہ جلال اِس معروف نظریے پر گمان رکھتی ہیں کہ مسلمانوں کی شناخت میں قصور کانگریس کی تنگ نظری کا ہے، مگر ہمارے خیال میں ہندوؤں کی تنگ نظری، تعصب، حقارت اور نفرت مسلمانوں سے نہ ہوتی ، تو ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے قومیت، پہچان اور علاحدہ وطن کی بیداری کبھی بھی پنپ نہ سکتی۔ وہ صدیوں سے ہندوؤں کے ساتھ ہنسی خوشی مخلوط زندگی گزار رہے تھے، اُسی طرح گزارتے رہتے، یہ مقولہ یہاں راس آتا ہے کہ بقول خاصے:

"ہر شر میں اصلاح پوشیدہ ہوتی ہے۔"

مسلمانوں نے بنیادی اور حقیقی طور پر ہندوؤں کے سنگین شر انگیزیوں سے سبق سیکھا ہے، اپنی شناخت حاصل کی اور دنیا میں ممتاز ہوئے۔ آج دنیا میں کسی بھی اسلامی ملک یا مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو وہ پاکستان ایسی مملکت اسلامی جمہوریہ کی طرف دیکھتے ہیں۔

عائشہ جلال نے اپنی کتاب "Self and Sovereignty" میں کئی اہم نازک اور پیچیدہ موضوعات پر بھی بحث چھیڑی ہے، جو اُن کا اپنا نقطہ نظر تو ہو سکتا ہے مگر حقائق سے وہ اپنے دامن کو پیوستگی سے بچائے رکھا۔ خاص کر علامہ اقبال کے وہ نظریات جو انہوں نے وطن پرستی، احمدیت یا قادنیت یا مرزائیت کے متعلق کہے تھے۔ علامہ اقبال نے اپنے آخری خطبہ میں بھی واضح لفظوں میں کہا تھا کہ وطن پرست اور احمدی برابر خطرہ ہیں۔"(۷)

اقبال کے ان واضح نظریات کے باوجود بھی عائشہ جلال اس نقطے کو نہ سمجھ سکیں، جو اقبال کے ذہن رسا میں تھا، جس کا انہوں نے ایک مقام پر نہیں کئی مقامات پر اس کا بے خوف وخطر اظہار بھی کرتے رہے ہیں۔ پنڈت جواہر نہرو کے نام ایک خط میں اقبال نے واشگاف الفاظ میں یہ کہہ دیا تھا کہ:

"احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔"(۸)

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

اقبالیات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی دور میں قادیانیوں کے بارے میں ان کی رائے ایسی دو ٹوک اور واضح نہ تھی۔ انہیں قادیانی تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی وہ قادیانیوں کے ساتھ بعض جلسوں میں بھی شرکت کرتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر بعض ملکی مسائل پر بیانات بھی دیتے رہے ہیں۔ قادیانی اسی وجہ سے اقبال کا احمدیت کے ساتھ بھی بڑا گہرا تعلق جوڑ کر مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا کرتے ہیں۔ عائشہ جلال بھی اقبال سے متعلق اسی غلط فہمی کا شکار نظر آتی ہیں ۔ قادنیت کے متعلق علامہ اقبال کا موقف بڑا واضح اور بے لاگ تھا۔ وہ برملا سخنے اور قلمے قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے تھے۔

عائشہ جلال کی کتاب میں یہ تاثر ملتا ہے کہ قائداعظم پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ پاکستان مسلمانوں کے لیے حاصل کیا گیا تھا، جس کی اساس ہی مسلمانوں کی طرف سے دو قومی نظریہ پر رکھی گئی۔ اِس دو قومی نظریے میں سیکولرزم کہاں سے آگیا۔ دو قومی نظریے کی تعریف علاحدہ مذہب (دین) اسلامی روایتوں، مسلم ثقافتوں، ایک زبان اور جغرافیائی وجود سے شروع ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی سیاسی جماعت مسلم لیگ اس کے بانیوں میں سے تھی۔ قائداعظم کے کسی بھی فرمان یا تقریر میں پاکستان کو سیکولر ریاست کہا گیا ہے، نہ ہی مسلم لیگ نے یہ نعرہ لگایا تھا۔ مشتے از خروارے قائداعظم کے حین حیات میں درج ذیل اقدامات کو اسلامی رنگ دیا گیا تھا۔ جو ہنوز جاری و ساری ہیں:۔

۱. علامہ اقبال کو قومی شاعر کا درجہ دیا گیا کیا کسی سیکولر ملک میں علامہ اقبال قومی شاعر ہو سکتا ہے؟
۲. پاکستان کی بڑی عدالتوں اور قومی و صوبائی اسمبلیوں کی عمارات سمیت تمام بڑے قومی اداروں کی بڑی عمارتوں میں کلمہ طیبہ لکھا گیا۔ کیا اس ملک میں ایسا ہو سکتا ہے، جسے سیکولر ملک بنانے کا سوچا گیا ہو۔
۳. بڑی چھوٹی عدالتوں، قومی و صوبائی اسمبلیوں میں کارروائی شروع کرنے سے پہلے قرات کے آغاز کی روایت ڈالی گئی، کیا کوئی ملک جو سیکولر بننے جا رہا ہو، ایسی اسلامی روایت کو اپنایا جا سکتا ہے۔
۴. ایمان، اتحاد، تنظیم۔ یہ وہ نعرہ ہے، جو اسلامی جمہوریہ مملکت پاکستان کا مشہور سلوگن ہے، جو قائداعظم کی حین حیات میں ہی ریاست کا جزو بنا دیا گیا تھا۔ کیا کسی سیکولر ملک کا ایسا نعرہ ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ پہلے ایمان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کافر میں ایمان آ ہی نہیں سکتا۔ ایمان خالصاً مسلمانوں میں پیدا ہوتا ہے، کافروں کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

۵. پاکستان کا قومی جھنڈا مسلمان مملکت کی نشان دہی کرتا ہے۔ کسی سیکولر ریاست کا ایسا سبز ہلالی پرچم ہر گز نہیں ہو سکتا۔

عائشہ جلال جیسی سیکولر سوچ کی حامل مصنفہ ہی صرف اس بنا پر یہ باتیں بغیر کسی تحقیق و دلیل کے کہہ سکتی ہیں کہ ایک ایسا شخص، جس کا رہن سہن، چال ڈھال، لباس و پوشاک، نشست و برخاست، بول چال اور مشاغل وغیرہ تک اپنے قائم کردہ ملک کے عوام سے سراسر مختلف تھے، اور اِس میں زیادہ اثر و نفوذ مغربی بود و باش کا سا تھا، کس طرح اسلامی ملک کے لیے اتنی عظیم جدوجہد کر سکتا ہے اور مسلمانوں کا قائد اعظم بن سکتا ہے۔(۹)عائشہ جلال نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسلام اور سیکولرزم کے خیالات آپس میں متصادم نہیں ہیں۔ انہوں نے صبر و برداشت، رواداری اور وسیع المشربی وغیرہ ایسے اوصاف کو اسلام اور سیکولرزم کے خیالات کو مشترکہ کھاتا قرار دیا ہے۔ اسلام سے ہٹ کر دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں، ان میں ان گنت خوبیاں اسلام سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ اسلام اور دنیا کا کوئی ایک مذہب یا تمام مذاہب، اسلام سے متصادم نہیں ہیں، اگر متصادم نہیں ہیں تو دنیا میں اسلام کے ظہور کا تصور اور مقصد بے معنی رہ جاتا ہے۔ دنیا میں صرف ایک دین ہے وہ ہے اسلام، باقی تمام مذاہب ہیں، جو دین کی دائرے میں نہیں آتے، اسی طرح اگر سیکولر کی تفہیم پر غور کیا جائے، تو اُسے ایسا نظام کہیں گے، جو کسی دین یا کسی بھی مذہب کے تابع نہیں ہوتا، اور جو مادر پدر آزادی دیتا ہے۔ ہر قسم کی اُن قباحتوں، برائیوں اور لغزشوں کو قانونی حیثیت دیتا ہے، جن کی اسلام میں سخت ممانعت ہے۔ عائشہ جلال انڈیا کی مثال دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ وہاں کی اکثریت ہندوؤں کی ہے، لیکن وہ خود کو ہندو ریاست کی بجائے سیکولر ریاست کہلواتی ہے۔ کیا عائشہ جلال کو ہندوتوا کی تحریک اور نظریہ نظر نہیں آتا، جو دہشت گردی کا روپ دھار چکا ہے۔ جس نے وہاں کی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ وہاں اس نام نہاد سیکولر ریاست میں مسلمان اور دیگر اقلیتیں اپنی مذہبی رسومات اور عبادات تک کو آزادانہ ادا نہیں کر سکتے، حتیٰ کہ اس "سیکولر ریاست" نے اپنے ہی مذہب کے شودروں، اچھوتوں اور دلتوں پر بھی پابندیاں عائد کر کے اُن پر روا رکھنے والے تعصب، نفرت، تشدد اور سماجی عدم تعاون وغیرہ کو کیا نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ خود ہندو کے تمام طاقت ور مذہبی و سیاسی پنڈت بھارت کو سیکولر کی بجائے ہندو ریاست کہتے ہیں، اور وہ ہندو ریاست کا نعرہ لگا کر غیر ہندوؤں کو ہندوستان چھوڑنے کی مذموم تحریک چلا رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہندوستان نہ جمہوری ملک رہا نہ ہی سیکولر۔

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

عائشہ جلال سے چند متعلقات پر اصولی و تاریخی اختلاف کے باوجود بھی ان کی کتاب "Self and Sovereignty" سیکولر طبقے میں پڑھی جا رہی ہے، مگر افسوس ہے کہ اُن کا قلم قائد اعظم، علامہ اقبال کے نظریات اور فکر کو نہ سمجھ سکا، حتیٰ کہ دبے دبے لفظوں میں انہوں نے اسلام، پاکستان اور مسلمانوں کو بھی نہ بخشا۔ دوسری طرف انڈیا ان کی نظر میں اس لیے "خوب" ہے کہ وہ "سیکولر ریاست" جو ہوئی۔

دیکھا جائے تو عائشہ جلال کی یہ تاریخ بیانی، دراصل اپنے پیش روؤں کے پیش کردہ سیکولر روایتی نظریے اور تجزیاتی و فکری رنگ آمیزیوں کا تتبع ہے، جو انہوں نے ہندو مسلم یا پھر خصوصاً ہندوستان میں رونما ہونے والے واقعاتوں کو تشریحی اندازِ فکر میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے، وہی تاریخ نگاری کا انداز، وہی فکر، وہی تشریح و تفہیم وہی واقعاتی نتائج جو ایک سیکولر کے قلم سے پھوٹتے رہے ہیں اور بدستور پھوٹ رہے ہیں، اور یوں انہوں نے فنِ تاریخ نگاری میں کوئی جدت اور اہم اضافہ نہیں کیا۔ عائشہ جلال کی اس تقلیدی روش (کتاب) میں اگر کوئی وکھری چیز متاثر کرتی ہے، وہ ان کا وہ اسلوب بیاں ہے، جسے ہم مرصع نگاری سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اِس تحریرات میں اصطلاحات کی بنت کاری بھی کی ہے، جو ان کے اچھوتے اور اپج سازی پر دلالت کرتی ہے، جس میں سنجیدگی، پختگی، شستگی، محتاط اندازِ خطابت اور رَود کی سی روانی کے لفظی ابھار سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ زبان دان نہیں بلکہ اہلِ زبان ہیں، نہ صرف انہوں نے ایسی زبان، ایسا طریقہ اور ایک ایسا رجحان اختیار کیا، بل کہ عقلی اور غیر مذہبی اندازِ نظر اپنا کر ایک وسیع سیکولر قاری بنانے میں کامیاب ہوئیں۔

ہمارے خیال میں ہندوستانی تاریخ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تصادم کا نام نہیں، بل کہ بالترتیب انتشار اور امن و استحکام کی قوتوں کے تصادم کا نتیجہ تھی، اگر عائشہ جلال صرف اِسی نقطے کو سمجھ لیتیں، تو ان کی سوچ و فکر اور قلم کا دھارا اُنہیں اپنے پیش روؤں اور ہم عصر تاریخ دانوں سے ایک الگ اور پُر سکون مقام پر کھڑا کر دیتا۔

حوالہ جات

۱. پروفیسر سید وقار عظیم، فورٹ ولیم کالج، یونیورسل بکس لاہور نومبر ۱۹۸۶ء
۲. حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (حصہ اول) مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۸ء
۳. والبرٹ، جناح آف پاکستان، مشمولہ قومی ڈائجسٹ جلد نمبر ۱۴ شمارہ نمبر ۴ ستمبر ۱۹۹۱ء
۴. مزمل یسین، سلطنت عثمانیہ کی انقلابی تحریکیں، انجمن ترقی اردو کراچی، اشاعت اول ۱۹۷۳ء
۵. شیخ محمد عبداللہ، آتشِ چنار، مکتبہ شعر و ادب لاہور، تاریخ اشاعت ندارد

ISSN(**P**): 2709-9636 | ISSN(**O**): 2709-9644
Volume 7, Issue 2, (March to April 2026)
https://doi.org/10.47205/makhz.2026(7-II)urdu-7

ماخذ تحقیقی مجلہ

۶. مکتوبات سر سید ، مجلس ترقی ادب،لاہور ماہ جون ۱۹۵۹ء، ص ۴۷۴
۷. ڈاکٹر وحید عشرت (ترجمہ) تجدیدِ فکریاتِ اسلام، اقبال اکادمی پاکستان طبع اول ۲۰۰۲ء
۸. سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیبِ اقبال، ترتیب پبلشرز لاہور، ص ۳۲۹
۹. ڈاکٹر زوار حسین زیدی، جناح پیپرز، قائداعظم پیپرز پروجیکٹ اسلام آباد سال ۲۰۰۰ء